ایمان اور معاشرتی زندگی[۱]

(عبدالحمید صدیقی)

دنیا کے ناپائیدار فوائد کے لیے بھائی بھائی پر ظلم و ستم کرتا ہے بیٹا، باپ کا گلا کاٹ دیتا ہے، امانت میں خیانت کی جاتی ہے اور عہد و پیمان توڑ دیے جاتے ہیں۔ متاعِ دنیا وہ چیز ہے جس نے انسانوں کو حدودِ انسانیت سے تجاوز پر اکسایا، چوری اور ڈاکہ زنی پر ابھارا اور انسانی معاشرہ کچھ ایسی شکل اختیار کر گیا جیسے درندوں کی بستی ہو۔ تجار دھوکا فریب کرتے ہیں۔ امراء اور رؤسا سرکشی پر اتر آتے ہیں۔ اور قضاۃ و حکام رشوتیں لیتے ہیں اور راہِ حق و صواب سے انحراف کرتے ہیں۔ اہلِ علم کتمانِ حق کرتے ہیں، مفتیانِ کرام غلط فتاویٰ صادر فرماتے ہیں۔ اہلِ قلم کذب و افتراء کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں، شعراء اشراف کی ہجو پر اُتر آتے ہیں۔ ان سارے مذموم اعمال کا محرک کیا ہوتا ہے؟ صرف ایک چیز۔ دنیا اور اس کے فوائد و منافع۔ اور یہ کام وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے اور نہ یومِ حساب پر ایمان رکھتے ہیں دوسرے لفظوں میں جو عقیدہ و ایمان سے عاری ہوتے ہیں۔ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ کا ایک مکالمہ نقل فرمایا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غلط کار لوگوں کو اعمالِ خیر کی توفیق نہ ملنے اور اعمالِ شر ہی میں منہمک رہنے کی وجہ فقط ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کا فقدان ہے۔ اہلِ ایمان جنت میں داخل ہونے کے بعد، عذابِ دوزخ میں مبتلا لوگوں سے سوال کریں گے۔

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ○ تمہیں دوزخ میں کس چیز نے داخل کیا۔

قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ○ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ○ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ○ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ○ (مدثر ۔ ۴۲ ۔ ۴۶)

وہ جواب دیں گے ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے اور ہم مساکین کو کھانا بھی نہیں کھلایا کرتے تھے نیز ہم خدا اور رسول کی تعلیمات پر نکتہ چینی کرنے والوں کے ساتھ مل کر نکتہ چینی کیا کرتے تھے۔ اور ہم روزِ جزا

[۱] اس مضمون کا بیشتر مواد شیخ یوسف قرضاوی کی کتاب الایمان والحیات سے ماخوذ ہے۔

کی تکذیب کرتے تھے۔

اسی طرح فرعون کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ إِلَيْنَا لَا يُرْجَعُونَ (قصص: ۳۹)

زمین میں (خود فرعون) بڑا بنا اور اس کے لشکروں نے بھی ناحق تکبر کیا اور ان کا گمان تھا کہ وہ (مرنے کے بعد) ہماری طرف نہیں پلٹیں گے۔

مقصود یہ ہے کہ دنیوی ساز و سامان کے حصول کی طرف انسان بہت شدید میلان رکھتا ہے۔ اور اسی کام میں بسا اوقات ساری عمر گنوا دیتا ہے۔ اور خدا و یوم آخرت۔ کسی کا بھی خوف اس کے دل کے قریب نہیں پھٹکتا۔ اس دلدل سے انسان کو اگر کوئی قوت نکال سکتی ہے تو وہ عقیدہ و ایمان کی قوت ہے۔ جہاں یہ قوت مفقود ہو گئی یا ضعف و اضمحلال کا شکار ہوئی تو وہیں سے انسان بے لگام ہو کر ایسی حرکات کا ارتکاب شروع کر دیتا ہے جو انفرادی و اجتماعی زندگی کا ستیاناس کر دیتی ہیں۔

فرعون کے فساد فی الارض کی وجہ کیا تھی؟ یہی کہ وہ یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ اگر وہ اس حقیقت کو تسلیم کر چکا ہوتا کہ موت کے بعد مجھے ایک علیم و خبیر خدا کے روبرو اپنے ہر عمل کی جواب دہی کرنی ہے تو وہ کبھی ظلم و ستم نہ کرتا۔ اور آتشِ دوزخ کے مہیب شعلوں میں سڑنے والوں نے کس بات کا اعتراف کیا اور اعمالِ خیر سے تہی دامن ہونے کی کیا وجہ بیان کی صرف یہی کہ كُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ۔ ہم روزِ جزاء کو جھٹلاتے تھے۔ کیونکہ روزِ جزا کی تصدیق کا عقیدہ ہی تو وہ قوت تھی جو انہیں ترغیبِ حسنات بھی دیتی اور ارتکابِ سیئات سے باز بھی رکھ سکتی تھی۔

دوسری طرف دیکھئے سر و سامانِ دنیا کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ارشاد فرما رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی، یا رسول اللہ آپ کے پہلوئے مبارک پر چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں کیا اس سے زیادہ نرم و نفیس بچھونا نہ مہیا کر دیا جائے؟ جواب رسالتمآب سنیئے اور ایمان کے اُن گہرے اثرات کا اندازہ کیجئے جو حیاتِ انسانی پر مرتب ہو کر رہتے ہیں "مجھے سر و سامانِ دنیا سے کیا واسطہ۔ میری اور دنیا کی مثال تو ایسے ہے جیسے کوئی مسافر دن کی گرمی میں چلتا رہے اور کسی سایہ دار درخت کے نیچے پل بھر کے لیے ٹھہرے پھر اسے چھوڑ کر آگے چل دے۔"

اور یہ دیکھئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا کہہ رہے ہیں۔ مخاطب دنیا ہے جو حسین و جمیل دوشیزہ کا روپ دھارے سامنے کھڑی ہے "جا اور نظر کو فریب دینے والی جا کسی اور کو فریب دے۔ مجھ سے تعرض کرتی ہے؟ یا میری طرف میلان رکھتی ہے؟ میں تجھے تین طلاق دے چکا ہوں۔ اب رجوع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

یہ کون بول رہا ہے؟ ابنِ ابی طالب نہیں۔ جذبۂ ایمان سے سرشار علی مرتضیٰ بول رہے ہیں۔ اُن کا ایمان بول رہا ہے۔ جس کا نصب العین مال و متاعِ دنیا نہیں اس سے بہت بلند و برتر، بہت عظیم و جلیل اور بہت بیش قیمت انعاماتِ خداوندی ہیں ما لا عین رأت ولا اذن سمعت وما خطر بقلب بشر۔

پس ایمان ہی وہ منفرد جوہر ہے جو مومن کے اندر ترغیباتِ دنیا کو ٹھکرانے کی تاب و تواں پیدا کرتا ہے۔ اس کے دل کو اس یقین سے معمور کر دیتا ہے کہ اللہ کے نزدیک روئے ارض کی ساری دولت بھی مچھر کے پَر کے برابر قدر و قیمت نہیں رکھتی۔ وہ اسے دنیا کا غلام نہیں بننے دیتا لیکن یہ بات واضح رہے کہ ایمان سر و سامانِ دنیا کے استعمال و استمتاع سے نہیں روکتا بلکہ وہ کہتا ہے کہ اس کو مقصودِ اصلی نہ سمجھو، غایت الغایات نہ قرار دو۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ایمان و اخلاق کا مقابلہ کرنا تو درکنار، مادی سر و سامان اور دنیوی لذائذ و منافع کے اندر اتنی سکت بھی نہیں کہ وہ اس کا سامنا ہی کر سکیں۔

طبیعت و جبلت کی قوت اور ایمان کی قوت

معاشرہ کو سعادت کے مرتبۂ کمال تک پہنچانے کے لیے جن اصول خلاق کی ضرورت ہے اُن میں سے ایک کا اثبات ہو چکا یعنی مال و متاعِ دنیا کی تحصیل کو اصلی اور حقیقی نصب العین نہ بنایا جائے اور اسے کبھی یہ حیثیت نہ دی جائے کہ دین و ایمان کے تقاضے مجروح ہونے لگیں۔ اس کے بعد ہم یہ گذارش کریں گے کہ دوسری چیز جسے افرادِ معاشرہ کو اپنے اندر پیدا کرنا چاہیئے وہ جبلی و فطری داعیات پر ضبط ہے۔ ان داعیات میں سب سے طاقتور داعیہ جنس کا ہے جس کو عام حالات میں بھی قابو میں رکھنا بڑا دشوار ہے لیکن ایامِ شباب میں تو خاص طور پر یہ تمام حدود سے تجاوز کر جانا چاہتا ہے۔ اس عالم میں نہ اِسے کسی قانون کا پاس ہوتا ہے نہ کسی فلسفی کے افکار و نظریات سے کوئی واسطہ۔ یہ حدود و قیود نا آشنا داعیہ اگر کسی قوت کی مزاحمت کے آگے بے بس ہوتا ہے تو وہ ایمان کی قوت ہے۔ حضرت یوسف علیٰ نبینا و علیہ السلام تو جوان ہی تو تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ایسے ماحول میں پہنچا دیے گئے جہاں داعیۂ جنسی کی تسکین کے سارے سامان موجود تھے۔ ایک منصب و جمال سے بہرہ ور خاتون خود دعوتِ گناہ دے رہی تھی۔ وہ خاتون جو حاکمِ وقت کی اہلیہ تھی ذی اقتدار و ذی شان اور ان کی مالکہ اور یہ اُس کے غلام مجبور۔ دونوں تنہا تھے۔ قانون کی نظر سے مستور اور لوگوں کی دسترس سے دُور۔ غور فرمائیے اُس وقت کیا چیز سیدنا یوسف کی ممد و معاون بنی جس نے خود ان کے داعیۂ جنسی کو بھی ضبط میں رکھا اور اُس مشتعل خاتون کی بھی پوری قوت کے ساتھ مزاحمت کی۔ یہ صرف ایمان تھا۔ خدا کے حاضر ناظر ہونے پر ایمان۔ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور اللہ کے محاسبہ و مواخذہ پر

ایمان- اور اس بات پر ایمان کہ اپنے داعیۂ جنسی کی تسکین کی یہ صورت حرام ہے اور خدا کے غضب کو دعوت دینے والی اور اس کی رحمت سے دور کر دینے والی ہے- یہ سیدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر تھا جو خدا کے جلیل القدر پیغمبر تھے- اور جن کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ انبیاء و رسل غیر معمولی اوصاف کے حامل ہوتے ہیں- تو آئیے ایک عام عورت کا واقعہ سنیئے- حضرت عمرؓ کا عہدِ خلافت تھا- آپ رات کو عامۃ المسلمین کے حالات معلوم کرنے کی غرض سے گشت کر رہے تھے- ایک مکان کے پاس سے گزرتے وقت آنجناب نے سُنا ایک عورت پرسوز آواز میں گا رہی تھی- اُس کے لیے اپنے شوہر کی جدائی ناقابلِ برداشت ہو رہی تھی جو مملکتِ اسلامیہ کی سرحدوں پر جہاد و قتال میں مصروف تھا اور کئی مہینوں سے گھر نہیں آسکا تھا- نوجوان دوشیزہ کے جذبات اشعار کی صورت میں ابل پڑے تھے ؎

لَقَدْ طَالَ هٰذَا اللَّيْلُ وَاسْوَدَّ جَانِبُهٗ وَاَرَّقَنِيْ اَنْ لَّا حَبِيْبَ اُلَاعِبُهٗ

فَوَاللّٰهِ لَوْلَا اللّٰهُ تُخْشٰى عَوَاقِبُهٗ لَحُرِّكَ مِنْ هٰذَا السَّرِيْرِ جَوَانِبُهٗ

رات تاریک اور طویل ہو گئی ہے- اور میری نیند غائب ہو چکی ہے کیونکہ کوئی محبوب نہیں جس کے ساتھ میں دل بہلاؤں- خدا کی قسم اگر اللہ کا ڈر نہ ہوتا اور اس کے احکام کی نافرمانی کے نتائج و عواقب کا خوف نہ ہوتا تو اس پلنگ کے اطراف و جوانب کو ہلا ڈالا جاتا-

داعیۂ جنس کی طرح جبلی طور پر انسان میں ایک اور زوردار داعیہ غضب و انتقام کا بھی موجود ہوتا ہے- جو بسا اوقات اتنی شدت اختیار کر جاتا ہے کہ مغلوب الغضب انسان پر وحشی اور درندے کا گمان ہونے لگتا ہے- داعیۂ غضب جب زور پکڑتا ہے تو وہاں نہ کسی قانون کا بس چلتا ہے نہ کوئی فلسفۂ اخلاق کام آتا ہے- معمولی باتوں پر لوگ جھگڑ پڑتے ہیں اور آپے سے باہر ہو جاتے ہیں- نتیجتہً قتل و غارتگری کا بازار گرم ہو جاتا ہے معاشرتی زندگی میں تصادم کی بے شمار صورتیں جو آئے دن پیدا ہوتی رہتی ہیں ان کے پیچھے کیا محرک کارفرما ہوتا ہے- یہی داعیۂ غضب- اس شعلۂ جوالہ کی حدت کو کم کرنے والی اور بالآخر اسے ٹھنڈا کر کے رکھ دینے والی چیز ایمان کے سوا اور کوئی نہیں- ایمان آدمی کو مجبور کرتا ہے کہ غصہ کو تھوک دے زیادتی کرنے والے کو معاف کر دے- جہالت کے برتاؤ پر صبر و حلم سے کام لے بلکہ برا سلوک کرنے والے کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے- حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں نے قربانی کی- ایک کی قربانی قبول ہو گئی جبکہ دوسرے کی قربانی نامقبول ٹھہری- اس پر مؤخر الذکر بیٹا غصہ میں آ گیا اور مشتعل ہو کر کہنے لگا

لَاَقْتُلَنَّكَ "میں تجھے قتل کر کے دم لوں گا - مگر صاحبِ ایمان بیٹا اشتعال کے جواب میں گرمی نہیں دکھاتا - بلکہ ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ کہتا ہے:

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ	اللہ تو اہلِ تقویٰ ہی کی نذریں قبول کرتا ہے۔
لَئِنْ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ	اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ اٹھائے گا تو
مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ اِنِّيْٓ	میں تجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔
اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ - المائدہ ۲۷/۲۸	میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔

معلوم ہوا کہ اللہ رب العالمین سے ڈرنے والے کبھی کسی کے درپے آزار نہیں ہوتے - نہ غیظ و غضب کے عالم میں حد سے تجاوز کرتے ہیں - کسی کے خلاف ظلم و زیادتی کرنے سے انہیں خوفِ خدا روکے رکھتا ہے چاہے جبلّی داعیات کا اقتضا کچھ ہی کیوں نہ ہو - حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے "خدا سے ڈرنے والے لوگ اپنے غیظ و غضب کی تسکین کا سامان نہیں کرتے - جو جی میں آتا ہے اسے کر گزرنے سے انہیں خوفِ خدا مانع ہوتا ہے اور اگر یوم قیامت نہ ہوتا تو معاملہ اس کے برعکس ہوتا جو تم دیکھ رہے ہو" حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز سے ایک آدمی ہمکلام ہوا اور آنجناب سے نہایت بری طرح پیش آیا حتیٰ کہ آپ غضبناک ہو گئے - آپ اُس وقت امیرالمومنین تھے - آپ نے ارادہ کیا کہ اسے درست کر دیا جائے لیکن بعدازاں رک گئے - اور اس آدمی کو مخاطب کر کے فرمانے لگے "تمہاری کوشش تو تھی کہ میرے اندر کا شیطان نشۂ اقتدار کے زیرِ اثر مجھے بھڑکاتا اور میں تمہاری خوب خبر لیتا جس کی پاداش میں کل قیامت کے دن تم میرا دامن پکڑ لیتے - لیکن اب جاؤ اللہ تمہیں معاف کرے - میں تمہارے ساتھ مزید گفتگو نہیں کرنا چاہتا"

پس ثابت ہوا کہ ایک سعادت مند معاشرہ کے افراد کو اخلاق کے اس مقام بلند پر فائز ہونا چاہیئے جہاں جبلّی داعیات ایمان کی بالادستی کو قبول کر لیتے ہیں اور خود کو مکمل طور پر اس کی تحویل میں دے کر فخر محسوس کرتے ہیں۔

ایمان انانیت کو فطری حدود سے آگے بڑھنے نہیں دیتا انانیت یا اپنی ذات سے محبت ایک فطری امر ہے - اور کوئی فرد بھی اس سے خالی نہیں - اپنی انا کی برتری اور اپنی ذات کے وقار کا سوال عام طور پر انسانوں کے نزدیک زندگی کا سب سے اہم سوال بن جاتا ہے - اپنا بول بالا رکھنے کے لیے، اپنا مفاد حاصل کرنے کے لیے اور اپنی عزت و اقتدار کا بھرم قائم کرنے کے لیے جذبۂ انانیت خاص طور پر ابھرتا ہے اور معاشرتی زندگی میں خصومت و نزاع کے سینکڑوں بیج بو جاتا ہے - اس جذبۂ فاسد نے کتنے خاندانوں کی عزت خاک میں ملادی، کتنے قبیلوں کو آپس میں لڑوا دیا

اور کتنی قوموں کو برسوں متحارب رکھا۔ انسانی تاریخ میں یہ پورا ریکارڈ دیکھا جا سکتا ہے۔

اِس جنون میں جب کوئی فرد یا معاشرہ مبتلا ہو جاتا ہے تو پھر کم ہی کوئی چیز اس پر اثرانداز ہوتی ہے۔ ہوا کے گھوڑے پر جب انانیت زدہ لوگ سوار ہوتے ہیں اور پندارِ نفس اسے برابر مہمیز لگاتا ہے تو اس وقت کوئی ضابطہ، کوئی قانون اور ہوش و خرد کی کوئی مقدار بھی اسے زنجیر پا نہیں کر سکتی۔ ایمان کی لگام البتہ ایک ایسی چیز ہے جو اس کی سرکشی کو دور کر سکتی ہے۔ ایمان سب سے پہلے انسان کو اس کی حقیقت سمجھاتا ہے تاکہ اپنے بارے میں وہ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہونے پائے۔ اس طرح وہ اس جڑ ہی کو کاٹ دیتا ہے جہاں سے شاخِ انانیت غذا حاصل کر رہی ہوتی ہے۔ دین و ایمان کی رو سے انسان اللہ کی مخلوق ہے۔ اللہ کے سہارے زندہ ہے۔ اس کی تمام صلاحیتیں اور استعدادیں اللہ کی عطا کردہ ہیں۔ کوئی ایک چیز بھی اس کی اپنی نہیں۔ نہ اس کا رزق اس کے بس میں ہے نہ زندگی نہ موت نہ عزت اور ذلت کا یہ مالک ہے نہ حکومت و اقتدار اس کی ذاتی شے ہے۔ توفیق الٰہی کے بغیر یہ دنیا میں کوئی کام نہیں کر سکتا۔ کوئی کام تو در کنار اس کے لیے ایک تنکے کو بھی زمین سے اٹھانا اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔ ایک سانس بطورِ خود لے لینا ایک بات تک کر سکنا اس کے قبضۂ قدرت میں نہیں۔ جب انسان کی اوقات یہ ہے اور اس اوقات کا شعور بھی وہ رکھتا ہو تو انانیت کا غلط جذبہ اس کے دل میں کہاں پیدا ہو سکتا ہے؟ اور اگر کسی نہ کسی طرح پیدا ہو جائے تو خدا پر ایمان، حشر نشر اور جنت و دوزخ پر ایمان اسے معطل اور مفلوج کر کے رکھ دیتا ہے۔

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو آدمی اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لیے آئے۔ وہ میراث کے بارے میں جھگڑ رہے تھے۔ ہر ایک کی زبان پر تھا ھذا حقی (یہ میرا حق ہے)، مگر ثبوت کسی کے پاس بھی نہ تھا۔ تاہم دوسرے کے حق کا انکار بڑی شدومد سے کر رہے تھے۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اندازہ کر لیا کہ بات کچھ بھی نہیں ان میں سے ہر ایک کے اندر انانیت بول رہی ہے۔ آپؐ نے ان کے دل و دماغ کو جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا: ''میں ایک انسان ہوں اور تم اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لیے میرے پاس آئے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی دوسرے کے مقابلے میں زیادہ چرب زبان ہو اور اپنے موقف کو بہتر طریقے سے بیان کر دے تو میں اس کی بات سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں۔ لیکن یاد رہے کہ جس کو میں نے اس کے بھائی کے حق میں سے کچھ حصہ دے دیا وہ آگ کا ٹکڑا ہو گا۔ اسے چاہیے کہ دوسرے کے حق کو قبول نہ کرے''۔ جھگڑنے والوں نے جب یہ کلمات تنبیہ سنے تو ان کے اندر کا جذبۂ

خشیتِ الٰہی بیدار ہوگیا اور فکرِ آخرت دامنگیر ہوگئی۔ دونوں رو پڑے اور ہر ایک دوسرے کو کہنے لگا۔ میرا حق بھی آپ لے لیں۔ میں اپنے حق سے دستبردار ہوتا ہوں۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اب جب تم اس طرح سوچنے لگے ہو تو مناسب یہ ہے کہ اس ورثہ کو آپس میں تقسیم کرلو اور اپنا اپنا حق لے لو۔ اور تقسیم کرتے وقت اگر کسی کے حق میں سے کچھ دوسرے کے حصے میں جانے کا احتمال ہو تو درگزر سے کام لو۔ اور ہر ایک دوسرے پر اسے مباح قرار دیدے۔

غور فرمائیے کہ یہ نزاع جو سراسر انانیت کی پیداوار تھی۔ کس چیز کی بدولت ختم ہوئی۔ ایمان اور صرف ایمان کی بدولت۔ ایمان انا کے بت کو پاش پاش کرنے کے ساتھ آدمی کے اندر عفاف اور زہد و ایثار کے اوصاف بھی پیدا کر دیتا ہے۔ وہ دوسرے کے حق سے دستبردار تو ہوتا ہی ہے اپنے حق کو بھی دوسرے کی جھولی میں بخوشی ڈال دینا چاہتا ہے۔ رسولِ پاک نے دو ایمانداروں کا قصہ بیان فرمایا۔ ایک نے دوسرے سے زمین خریدی۔ خریدار کو بعد میں زمین سے ایک مٹکا ملا جس میں سونا تھا۔ اس نے زمین فروخت کرنے والے کے سامنے سونے سے بھرا ہوا مٹکا رکھتے ہوئے کہا۔ اپنا سونا لے لیجئے میں نے آپ سے زمین خریدی تھی یہ سونا نہیں۔ دوسرا آدمی جو دولتِ ایمان سے مالامال تھا گویا ہوا۔ میں نے زمین اور جو کچھ اس میں ہے سب آپ کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ رسولِ پاکؐ نے فرمایا بعدازاں وہ دونوں ایک تیسرے آدمی کے پاس بغرضِ فیصلہ گئے۔ اس نے ان سے پوچھا تم صاحبِ اولاد ہو؟ ایک نے جواب دیا میرا ایک لڑکا ہے۔ دوسرا بولا میری ایک لڑکی ہے۔ فیصلہ کرنے والے نے کہا۔ دونوں کا آپس میں نکاح کر دو اور اس سونے کو مصرف میں لاؤ۔ پھر جو بچ رہے اسے صدقہ کر دینا۔ اس طرح دنیا کے سامنے یہ عجیب منظر آیا کہ سونے کا ڈھیر سامنے تھا مگر دونوں میں سے کوئی بھی اس کا طلبگار نہ تھا۔ ہر ایک اس سے بچنا چاہتا تھا اور ساتھی سے کہہ رہا تھا یہ تیرا ہے حالانکہ ایسے مواقع پر لوگ کہا کرتے ہیں۔ یہ میرا ہے صرف میرا۔

انانیت کا اس درجہ استیصال اور زہد و ایثار کا یہ کمال کسی معاشرہ کے افراد میں اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ اُس اخلاق سے متخلق ہوں جو ایمان کے زیرِ اثر پیدا ہوتا ہے۔ (باقی)